ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہارون الرشید

پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ڈاکٹر محمد رحمان

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ڈاکٹر نذر عابد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

احمد جاوید کے افسانوں میں علامت نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ

Haroon ur Rasheed

PhD Scholar, Department of Urdu, Hazara University Mansehra.

Dr.Muhammad Rehman

Assistant Professor, Department of Urdu, Hazara University Mansehra.

Dr.Nazar Abid

Assistant Professor, Department of Urdu, Hazara University Mansehra.

Symbolism in Ahmed Javed Short Stories: A Critical Study

ABSTRACT:

Ahmed Javed has a significant place in the Urdu Fiction. He started fiction writing in the 1970's. His writing's gave dignity to Urdu fiction. This was the time when Pakistan was dismembered. The period of time that followed, saw negative effects on social and political values of our society. Ahmed Javed wrote in an environment of oppression and suffocation and accentuated the public sentiments in his writings. He depicted in his fiction the symbolic characters of Animals like wolf, dove, cat, mouse etc and through them symbolized the public sentiments. His impact will last for a long time in Urdu Fiction writing.This article focuses on that aspects of Ahmed Javed's Fiction.

KEY WORDS: *Ahmed Javed, Symbolism, Short Story, Urdu Fiction, 1070, Nawazish Ali.*

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

علامت کی ابتدا بھی انسانی زندگی کے ساتھ ہوئی۔ ادب میں علامت سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کہہ کر دوسری چیز مراد لینا۔ سادہ اور عام الفاظ میں علامت کی تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ علامت ایک طریقہ اظہار ہے۔ بقول ڈاکٹر شفیق انجم:

> "علامت اپنی ماہیت کے اعتبار سے شے، جسم یا چیز نہیں ہے بلکہ یہ اشیا واجسام کی نمائندہ ہے۔ ظاہر سطح پر بھی اور باطنی سطح پر بھی۔" (۱)

علامت کا ارتقا صدیوں پر محیط ہے۔ ہر عہد میں اس سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ یورپی نقطہ نظر سے علامت نگاری کا آغاز فرانس کے ادبی چشمے سے جڑا ہوا ہے، ایڈمنڈ ولسن سمیت یورپ اور اردو کے تمام نقاد اس بات پر متفق ہیں:

> " علامت نگاری کا آغاز رومانیت پسندی اور حقیقت پسندی کی تحریکوں کے رد عمل کا نتیجہ تھا۔ اس کا یہ جواز دیا جاتا ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز میں یورپ جنگ وجدل کا شکار رہا تو فرانس کی اجتماعی زندگی پر اس کے مضر اثرات مرتب ہوئے۔" (۲)

رومانیت پسندی کی ادبی تحریک کا آغاز ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ ہوا۔ اس کے سرخیلوں میں گوئٹے، وکٹر ہیوگو، بائرن، کیٹس اور شیلے شامل تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سائنس، مغربی زندگی میں داخل ہونے لگی، جس کے اثرات اور فروغ سے ادب کے زاویے بھی تبدیل ہونے لگے۔ ۱۸۵۰ء میں رومانیت پسندی کے رد عمل کے طور پر ایک نئی تحریک ابھر کر سامنے آئی، جسے حقیقت پسند Realism کا نام دیا گیا، جس کے اثرات انیسویں صدی کی آخری چوتھائی تک جاتے ہیں۔ اسی دوران ۱۸۸۰ء کے قریب حقیقت پسندی کے رد عمل میں ایک نئی تحریک ابھری، جسے بعد میں علامت پسندی کی تحریک کا نام دیا گیا۔ ایک رومانی تحریک کے رد عمل کے طور پر ۱۹۵۰ء کے قریب حقیقت پسندی کی تحریک نے جنم لیا۔ دو ممتاز فرانسیسی شاعر اور نقاد بودلیر Baudelaire نے ممتاز امریکی شاعر وادیب ایڈگر ایلن پو کو ایک علامتی افسانہ نگار اور انشا پرداز کی حیثیت سے ۱۸۵۲ء میں اپنا مجموعہ کلام "بدی کے پھول" پیش کر کے اصل میں علامت نگاری کا اعلان حقیقت پسندی کی تحریک کے ساتھ ہی کر دیا تھا۔

علامت کوئی نئی چیز نہیں ہے جو ساٹھ کی دہائی کے بعد سامنے آئی ہو اور اردو ادب کا حصہ بنی ہو۔ یہ شروع سے ہے۔ ہماری کلاسیکی شاعری میں بھی علامتیں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد اجمل لکھتے ہیں:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"نشان کا کام محض نمائندگی کرنا ہے، جب کہ علامت کسی نامعلوم شے کا بہترین اظہار ہونے کی بنا پر قلب ماہئیت کرتی ہے۔" (۳)

پاکستان میں علامتی افسانے کی تحریک سے لے کر ستر کی دہائی تک افسانے میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جدیدیت میں جو موضوعات سب سے زیادہ نمایاں ہیں، ان میں فرد کی پہچان کی گمشدگی، قنوطیت، بے معنویت اور جبریت شامل ہیں۔ جبر کا موضوع اردو افسانے میں کچھ تو وجودیت کے زیر اثر اور کچھ مارشل لاء کی پابندیوں کی وجہ سے اپنایا گیا۔ اس طرز کے افسانے ستر اور اسی کی دہائی کے پس منظر میں یقیناً تاریخی اہمیت کے حامل قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ رشید امجد، منشایاد، اعجاز راہی، احمد جاوید، مظہر الاسلام، مسعود اشعر اور مبین مرزا نے اپنے افسانوں میں جبریت، مزاحمت اور احتجاج جیسے موضوعات کو جگہ دی اور انہیں تحریری شکل میں منظر عام پر لائے۔ اس روش نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر ذہنوں کو متاثر کیا۔ اسلوب کے لحاظ سے جدید افسانہ اپنی ایک الگ شناخت رکھتا ہے۔ اسلوب کے لحاظ سے نئے افسانہ نگار بھی الگ الگ پہچان کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر نوازش علی کا کہنا ہے:

"قدیم افسانہ ترقی کے کئی ایک موڑ کاٹتا ہوا زمانے کے بدلے ہوئے تصورات اور تجربات کے کئی ایک زاویوں کو اپنے اندر سموتا ہوا، اور ترقی کی کئی ایک منزلیں طے کرتا ہوا، جدید دور میں داخل ہو چکا ہے۔ چنانچہ اب قدیم اور جدید افسانے میں ایک واضح تفاوت محسوس کی جاسکتی ہے۔" (۴)

ستر کی دہائی کے بعد علامتی افسانے میں احمد جاوید ایک اہم نام ہے۔ احمد جاوید نظریاتی اعتبار سے ترقی پسند اور فنی لحاظ سے علامت پرست ہیں۔ ان کی علامتیں ان کی نظریاتی Commitment، معاشرتی شعور سے کما حقہ، لبریز اور استعمال میں ہنر کاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں فکری معنویت اور مقصدی تہہ داری پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ احمد جاوید اپنے ہم عصروں سے اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ انہوں نے علامتوں کے ذریعے اپنے معاشرتی مسائل کو اجاگر کیا، جن کا ادراک ایک عام قاری بھی کر سکتا ہے۔ ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ بھی "غیر علامتی کہانی" ہے، جو فکر سے موضوع تک ترتیب سے تزئین تک، تکنیکی ہنر کاری سے لفظیات کے استعمال تک علامت ہی علامت ہے۔ احمد جاوید کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کہانی کہنے اور کہانی بننے کے فن سے واقف ہے۔

احمد جاوید نے جب افسانہ نگاری کا آغاز کیا، تو اس وقت معاشرہ سماجی اور سیاسی انتشار سے گزر رہا تھا۔ انہیں دو طرح کی تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک تبدیلی تو ادب میں ہوئی تھی اور دوسری قومی سطح پر ہونے والی

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

تبدیلیاں ان کے سامنے تھیں۔ احمد جاوید کے فن میں ان علامات کا در آنا ایک فطری امر تھا۔ احمد جاوید نظریاتی لحاظ سے ترقی پسند سوچ سے متاثر رہے۔ ان کے دل میں شروع سے ہی پسماندہ طبقے کے لیے بہت ہمدردی تھی۔ احمد جاوید کا تعلق جدید نسل سے ہے۔ انہوں نے نئے افسانے میں نئے تجربات کیے اور اس کی مقبولیت میں اضافے کا باعث بنے۔ ان کے افسانے سیاسی اور سماجی استحصال، نچلے طبقے کے مسائل اور سیاسی جبریت کے عکاس ہیں۔ ان کے زیادہ تر افسانوں کا موضوع سیاسی جبریت ہے:

> ''احمد جاوید کے افسانے فکری اعتبار سے اپنے معاشرے کے معاشی و سماجی موضوعات کے گرد گھومتے ہیں۔ کچھ افسانوں میں سیاسی اور معاشرتی رد عمل کی بنا پر بدی سے جنم لیے ہوئے کرداروں کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ کہانی کار نے اس زمانے کی روح کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے، جس میں وہ سانسیں لے رہا ہے۔'' (۵)

احمد جاوید کے افسانوں کے پس منظر میں آدمی کا احساس اور درد لہراتا ہوا محسوس ہوتا ہے، جو اسے فطرت سے قریب کر کے دکھاتا ہے۔ وہ ایسے موسموں کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے جو خزاں زدہ موسم میں بھی پھول کھلا سکے۔ ان کے افسانے ''غیر علامتی کہانی''، ''آثار'' اور ''گشت پر نکلا ہوا سپاہی'' ایسی نوعیت کے افسانے ہیں جس میں زندگی کچھ پانے کی آرزو میں گزر رہی ہے۔ ان کے بعض افسانوں میں موجودہ نظام کی تلخیوں اور اس سے بیزاری کے جذبات جھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ''کولہو کا بیل'' ایسا ہی ایک علامتی افسانہ ہے۔ احمد جاوید کے افسانوں میں خوف بھی نظر آتا ہے، اور یہ خوف غیر یقینی مستقبل کا ہے۔ زندگی ایک ہی ڈھب سے گزرتی جاتی ہے، اور آدمی نئے راستوں کی تلاش میں ہے۔ احمد جاوید کے افسانوں کا یہ انداز ہماری سماجی زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ ان کے افسانوں میں موضوع، فضا اور اسلوب میں ہم آہنگی قاری پر ایک خوشگوار افسانوی تاثر چھوڑتی ہے۔ بقول ڈاکٹر نوازش علی:

> ''احمد جاوید کے افسانے روایتی انداز کا افسانہ پڑھنے والے قارئین کو بالکل نچلی سطح پر یا بالکل سامنے سے بھی محظوظ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اختتامی کے قارئین بھی ان سے علامتی واستعاراتی سطح پر لطف اندوز ہوسکتے ہیں، اور ان پوشیدہ معانی تک باآسانی پہنچ جاتے ہیں جو افسانہ نگار کا خصوصی منشا ہے۔'' (۶)

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

''غیر علامتی کہانی'' میں اس وقت کا وطن عزیز کا سیاسی منظر نامہ نظر آتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب مارشل لاء نے ہر چیز پر خوف وہراس کے سائے طاری کر رکھے تھے۔ ان کی تمام کہانیوں میں سیاسی وسماجی استحصال بھی نظر آتا ہے۔ انہوں نے علامتوں کے ذریعے معاشرے کے حقیقی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ''چڑیا گھر'' جس میں بارہ کہانیاں شامل ہیں، انہوں نے مختلف جانوروں اور پرندوں کو کرداری شکل میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر علامتیں چڑیا، چمگادڑ، بلی، کتا وغیرہ کے نام سے وضع کی ہیں۔ چڑیا گھر کے افسانے تمثیلی صورت میں تحریر کیے گئے ہیں۔ اس افسانے ''چڑیا گھر'' میں بھی سیاسی جبریت وسماجی استحصال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مارشل لاء کے دور کی عکاسی ان کے ہاں اکثر مقامات پر نظر آتی ہے:

> ''احمد جاوید ستر کی دہائی میں ابھرنے والے جدید افسانہ نگاروں میں سے ہیں۔ ان کا دوسرا مجموعہ ''چڑیا گھر'' کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں چرند پرند اور کیڑے مکوڑوں کو علامتوں اور تمثیلوں کے روپ میں پیش کیا گیا ہے اور گزشتہ جبر کے دور کا احوال سنایا گیا ہے۔'' (۷)

احمد جاوید نے ''گم شدہ شہر کی داستان'' میں سقوط ڈھاکہ کو موضوع کیا ہے، اور وہاں کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی صورت حال کو اپنی کہانیوں میں جگہ دی ہے۔ اس کی بیشتر کہانیاں فرد کی گمشدگی کی کہانیاں ہیں۔ ''گم شدہ شہر کی داستان'' میں ایک وسیع معاشرے کی گمشدگی نظر آتی ہے، اور اس کی تمام کہانیاں گویا گمشدگی کا کرب ناک اظہار ہیں۔ یہ احمد جاوید کے افسانوں کی علامت نگاری کا بہترین نمونہ قرار دی جاسکتی ہیں۔

افسانوی مجموعے ''غیر علامتی کہانی'' کا پہلا افسانہ بھی غیر علامتی کہانی کے نام سے ہی ہے۔ افسانے میں وہ ایک مختصر کہانی کی تلاش میں گھر سے نکلتے ہیں، اس دوران وہ بے شمار مناظر دیکھتے ہیں، لیکن کوئی منفرد اور انوکھی کہانی ان کے ہاتھ نہیں لگتی۔ وہ ایک کہانی کار کے روپ میں جگہ جگہ گھومتے ہیں اور کسی نئی بات کی تلاش میں سرگرداں آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ پھر انہیں خیال آتا ہے کہ اگر اس سلسلے میں انہیں طویل سفر بھی کرنا پڑے تو انہیں کرنا چاہیے، اور اگر انہیں کوئی مختصر کہانی بھی مل جائے تو انہیں طمانیت ہوگی۔ اس ''غیر علامتی کہانی'' میں ایک جنگ کا سماں نظر آتا ہے، ماحول کی گھٹن اور جبر کی شدت کو علامت کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کہانی کار نے یہ چیز دکھائی ہے کہ اسے ہر طرف افراتفری اور اضطراب کا ماحول نظر آتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے ہر طرف جنگ ہو رہی ہو۔ ہر شخص کسی پناہ کی تلاش میں ہے۔ کہانی کار پریشانی کا شکار ہے کہ اس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"مگر یہ خاموشی..... میں حیران سا اٹھتا ہوں ارد گرد نگاہ کرتا ہوں، کہ اچانک ایک تیز سنسناتی ہوئی آواز چاروں طرف پھیل جاتی ہے..... سائرن جیسے جنگ کے دنوں میں بجتے ہیں..... میں حیران ہوتا ہوں..... کچھ لوگ ادھر ادھر سے بھاگے آتے ہیں اور گلی کے وسط میں چھلانگیں لگاتے ہیں..... مجھے کچھ حیرت ہوتی ہے..... گلی کے وسط میں مورچے کھدے ہیں.... یہ کس نے کھود ڈالے۔ کچھ حیرت ہوتی ہے..... میں کچھ بھاگتا ہوا گلی کے موڑ تک آتا ہوں..... کہیں زور دار دھماکہ ہوتا ہے..... پھر بازگشت اور خاموشی..... لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھتے ہیں اور جلدی جلدی چلتے ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔ میں پاس سے گزرتے آدمی کو روک کر پوچھتا ہوں..... یہ سب کیا تھا؟ وہ حیرت سے مجھے دیکھتا آگے بڑھ جاتا ہے۔" (۸)

انہوں نے اس افسانے میں ایک جنگ کا منظر پیش کیا ہے، اور فوجی آمریت کا تاثر علامتی انداز اختیار کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔ کہانی کے آخر میں ماحول کی گھٹن اور جبر کی شدت کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ مارشل لاء کے پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ علامتی انداز اختیار کرتے ہیں، مگر کہانی میں ابہام پیدا نہیں ہوتا، یہی ان کے اسلوب بیان کی خوبصورتی ہے کہ وہ علامتوں کے ذریعے کہانی کا تانا بانا بناتے ہیں۔ وہ علامتیں اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ کہانی کا حصہ معلوم ہوتی ہیں۔ احمد جاوید کی یہ فنی مہارت ہے کہ وہ علامتیں گھڑتے نہیں بلکہ تخلیق کرتے ہیں۔ وہ کہانی میں اس طرح سے ماحول بناتے ہیں کہ قاری ان کے اسلوب میں محو ہو جاتا ہے۔ دوسرا افسانہ "آسیب زدہ رات" ہے۔ اس میں بھی ڈر اور خوف کی فضا ہر طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہے، اور اس خوف اور ڈر کو انہوں نے علامات کی مدد سے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر کالی بلی کو نحوست کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اگر کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو کوئی کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا، یعنی بلی سے متعلق خوف ہمارے معاشرے میں عام سمجھا جاتا ہے۔ افسانہ نگار نے اس افسانے میں بلی کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا ہے اور معاشرتی صورت حال کو بلی کے ذریعے نمایاں کیا ہے۔ اور وہ خوف جو فوجی آمریت کی وجہ سے ہر طرف نظر آتا ہے، اس کا اظہار انہوں نے نہایت عمدگی سے کیا ہے:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

''مجھے کالی بلی سے بھی ڈر لگا تھا، کالی بلی تو نحوست کی علامت ہے، راستہ کاٹ جائے تو سفر رائیگاں ہو جاتا ہے۔ میں نے یہ جانا کہ آج شب میرے مکان پر کالی بلی کا سایہ ہے، چوری چکاری کا اندیشہ ہے۔''(۹)

احمد جاوید نے اپنے عہد کے ماحول اور سماجی و معاشرتی صورتحال کو اپنے افسانوں میں علامت کی شکل میں استعمال کیا ہے۔ ڈر اور خوف کو انہوں نے علامت کا سہارا لے کر بیان کیا ہے۔ انہوں نے معاشرے کے لوگوں کی ذہنی کشمکش کو اجاگر کیا ہے، جو فوجی آمریت سے متاثر ہوئے ہیں۔ افسانے ''آثار'' میں احمد جاوید نے گرمی کی شدت اور حبس کو علامت بنا کر اپنے عہد کے سیاسی جبر کو نمایاں کیا ہے۔ انہوں نے حبس، طوفان، چور، سپاہی، اسی طرح حبس کے موسم کے متعلقات جیسے کیڑے، چھپکلیاں اور پتنگے وغیرہ کو علامات کی صورت دے کر معاشرے کی سیاسی و سماجی صورت حال کو عیاں کیا ہے۔ افسانہ ''آثار'' کے ان اقتباسات سے احمد جاوید کے فن کی گہرائی اور معنویت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''کتنے دنوں سے ہوا نہیں چلی، مجھے اس رکے ہوئے موسم سے وحشت ہوتی ہے۔ مگر اب بادلوں کے جمع ہونے پر بھی ڈر لگتا ہے۔''(۱۰)

افسانہ نگار نے ٹھہرے ہوئے منظر میں اپنے عہد کی تصویر سجائی ہے، اور واضح کیا ہے کہ جس طرح سے موسم میں تبدیلی نہیں آ رہی ایسے ہی معاشرے میں بھی تبدیلی دکھائی نہیں دیتی۔ یہاں احمد جاوید موسم بدلنے کا خواب دیکھتے ہیں، لیکن اندیشے اور خوف اسے بے خوابی میں بدل دیتے ہیں۔ انہیں زندگی ایک ایسے منظر کی طرح دکھائی دیتی ہے جو ایک جگہ پر ٹھہر گیا ہو۔ وہ اس منظر میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ مارشل لاء کے دور میں لکھے گئے اس افسانے میں کئی علامتیں استعمال کی گئی ہیں، جو اپنے اندر خاص معنویت رکھتی ہیں۔ ''کہولو کے بیل'' احمد جاوید کا ایک ایسا علامتی افسانہ ہے، جس میں اس نظام پر بحث کی گئی ہے جو سامراجی نظام کہلاتا ہے۔ جس میں پوری قوم کو حقیر سمجھ کر غلاموں سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ انہیں غلامی کا احساس نہیں ہوتا اور نہ وہ آزادی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، بس ایک کولہو کے بیل کی طرح زندگی کی ایک ہی ڈگر پر چلتے رہتے ہیں۔ ہر قوم کی ایک شناخت ہوتی ہے، اور یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایک قوم اپنی الگ ثقافت، رسم و رواج اور طور طریقے رکھتی ہو۔ ان کے خیال میں جو قومیں ایسا نہیں کرتیں وہ کولہو کے بیل کی طرح رہتی ہیں، اور اپنی شناخت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اس افسانے میں احمد جاوید کا آہنگ نہایت بلند نظر آتا ہے:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"یہاں آگ ہے، وہاں آگ ہے.....میں سلگتا ہوں تم نہیں سلگتے۔ ظالمو! کیوں ہنٹر مار کر میرا ناس کرتے ہو.....میں کولہو کا بیل نہیں، اپنی آنکھوں سے پٹی کھولو.....تم کون ہو؟۔" (۱۱)

"دم دار ستارے" کا موضوع بھی سیاسی جبر واستحصال ہے۔ انہوں نے علامتی انداز میں اس دور کے حالات کا احاطہ کیا ہے، کہ اس آمرانہ دور میں بظاہر سب کچھ حسب معمول نظر آتا تھا لیکن آزادی اظہار پر پابندی تھی۔ وہ علامتوں کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرتے تھے۔ قارئین ان کی باتیں سمجھ لیتے تھے۔ ایک اقتباس یوں ہے:

" بادل بھی آتے ہیں..... چمکتے ہیں، گرجتے ہیں، برستے ہیں.....ہوا بھی چلتی ہے..... دھیرے دھیرے سے..... کبھی شور مچاتی ہوئی، گرد اڑاتی ہوئی..... کھڑکیاں، دروازے بجاتی ہوئی۔ پھول بھی کھلتے ہیں، خوشبو بھی ہوتی ہے۔ مگر پھول توڑنے یا سونگھنے کی اجازت نہیں..... اس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے، باقی کوئی روک ٹوک نہیں۔" (۱۲)

انہوں نے اس افسانے میں خوف کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے، جس نے لوگوں کو بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ اس دور میں لوگوں کی بڑی نگرانی کی جاتی تھی، اور ان کے اظہار خیال پر پابندیاں تھیں۔ جو لوگ ایسی صورتحال سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں، وہ یقیناً بے حسی کی زندگی گزارتے ہیں۔ احمد جاوید نے علامتی انداز میں واضح کیا ہے کہ مسلسل جبریت انسان کے اعصاب توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ "غیر علامتی کہانی" میں سیاسی جبریت اور استحصال نہایت واضح ہے۔ چونکہ مارشل لاء کا زمانہ تھا اور شہری آزادیاں مفقود تھیں۔ اس لیے ہر آدمی کچھ کہتے ہوئے ڈرتا تھا کہ کہیں کوئی معمولی سی بات بھی اس کے لیے عذاب نہ بن جائے۔ احمد جاوید نے اس ساری صورتحال کو نہایت گہری نظر سے دیکھا ہے۔

ان کے دوسرے افسانوی مجموعے "چڑیا گھر" میں بھی مختلف پرندوں، جانوروں اور حشرات الارض کو مختلف کرداروں کی شکل میں نمایاں کیا گیا ہے۔ "چڑیا گھر" کی منفرد بات یہ ہے، کہ ان کی ساری کہانیوں کے عنوانات پرندوں، جانوروں اور حشرات الارض پر ہیں۔ سجاد حیدر ملک لکھتے ہیں:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

" ہمارے درمیان احمد جاوید کی صورت میں ایسا لکھاری موجود ہے، جو پرندوں، جانوروں، سانپوں اور کیڑے مکوڑوں کی حرکات وسکنات میں انسانی سیاست، اخلاقیات اور رویوں کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان کے افسانوں کی کتاب "چڑیا گھر" اپنے اسلوب کے زور پر قاری کو ایک مقناطیسی قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اور جیسے جیسے کہانی چلتی ہے، قاری ایک ہی وقت میں مختلف سطحوں پر ایک تخلیقی سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ ان کی کہانیاں خالصتاً Fable یا Parable نہیں ہیں، اس سے کچھ زیادہ بھی ہیں، ان میں ایک پہلو Allegory کا ہے۔" (۱۳)

"چڑیا گھر" کا پہلا افسانہ "چوہے" ہے۔ اس کا موضوع سامراجی استحصال ہے۔ اس میں "چوہے" کو سیاسی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ دراصل چوہوں کے روپ میں ترقی پذیر ممالک کے افراد کو موضوع کیا گیا ہے، کہ وہ کس طرح سرمایہ دار ممالک کے گھناؤنے عزائم کا شکار ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار نے اپنے عہد کی صورتحال کو ان افسانوں میں بڑی عمدگی اور مہارت سے استعمال کیا ہے اور علامتوں کا سہارا لیا ہے۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ کس طرح سرمایہ دار ممالک ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کو اپنے تسلط میں رکھنے کے لیے انہیں بھاری سود پر قرضے دیتے ہیں، پھر ان کی آزادی اور خود مختاری کو سلب کر لیتے ہیں۔ اس افسانے "چوہے" کو علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ سائنس دان چوہوں پر تجربات کرتے ہیں، انہیں رزق تلاش کرنے کے طریقے بتاتے ہیں، جب وہ ایسا سیکھ جاتے ہیں، تو پھر وہ ان کے لیے بے کار ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں ہلاک کر دیتے ہیں، اور پھر ان کی جگہ دوسرے چوہے لے لیتے ہیں۔ احمد جاوید نے تیسری دنیا کے ممالک کے استحصال کو اس افسانے کا موضوع بنایا ہے:

"چوہوں کو بیکار اکٹھا کرنے کے عمل میں سائنس دان مبتلا نہیں ہوتے، وہ انہیں کام میں لاتے ہیں۔ اس سائنس دان نے بھی یہی کیا تھا اور اب کسی دوسرے چوہے کا انتخاب کرنا تھا۔ جو اس سے بھی کم وقت میں رکاوٹوں کو عبور کرتا اور اس کے علم میں اضافے کا باعث بنتا.....یہی سبب تھا کہ اس نے اپنے نتائج میں سیکھ جانے والے چوہے کو ناکارہ قرار دے دیا تھا۔" (۱۴)

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

''چڑیا گھر'' کے ایک اور افسانے ''بھیڑیے'' کو ظلم کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے ظالموں کی فطرت کی عکاسی کی ہے، کہ وہ کس طرح کمزوروں اور لاچاروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح شکار کر لیتے ہیں۔ اس افسانے کا موضوع ''ظلم'' ہے۔ انہوں نے اس میں ایسے کرداروں کو واضح کیا ہے جو بھیڑیے بن گئے ہیں۔ اور جب ان کا ضمیر ان کے دلوں پر کچوکے لگاتا ہے کہ وہ انسان ہیں یا بھیڑیے ہیں، تو ان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ ''بھیڑیے'' کسی ظالم انسان کی علامت کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے، کہ انسان نما بھیڑیے بھیڑیوں سے زیادہ عیار اور خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ ظاہری طور پر تو انسان ہیں، مگر باطنی طور پر انتہائی خوفناک بھیڑیے ہیں۔ اس افسانے میں احمد جاوید نے ''بھیڑیے'' کی علامت استعمال کر کے اپنے معاشرے کے ان لوگوں کو بے نقاب کیا ہے جو انسانی لبادے میں بھیڑیوں سے زیادہ خونخوار اور مہلک ہیں۔ ڈاکٹر نوازش علی احمد جاوید کے افسانوں کی علامتوں کے متعلق لکھتے ہیں:

> '' وہ علامات کی وجہ سے انسانوں کو خانوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ آدمی یا آدمی ہو جاتا ہے، یا پھر کتّا، بھیڑیا، چوہا، بلی اور کوّا ہو جاتا ہے۔'' (۱۵)

احمد جاوید کے افسانوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ ان میں علامات کا اس طرح سے استعمال کرتے ہیں کہ وہ حقیقی تصویر جیسی لگتی ہیں۔ انہوں نے آمریت کو ''کتّے'' کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ ''کتّا'' حاکم بن کر عوام یعنی بکریوں پر حکومت کرتا ہے۔ اسی مجموعے کا افسانہ ''چڑیا گھر'' بھی ایک علامتی کہانی ہے، احمد جاوید نے اس میں یہ بات بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ اب ہمارے معاشرے کے لوگ اپنی پرانی اقدار کو ترک کر کے بڑی تیزی سے نئی اقدار اپنا رہے ہیں۔ پہلے کا انسان فطرت کے زیادہ قریب تھا، لیکن نئی نسل پرانی اقدار سے خائف ہے۔ اسے یہ فکر لاحق ہے کہ اگر ہم نے نئی اقدار کو نہ اپنایا تو مادی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے۔ احمد جاوید کو اپنی اقدار سے دوری کا احساس کسی تہوار یا خاص موقع پر ہوتا ہے:

> ''کبھی کبھی کسی تہوار پر، کبھی کسی تقریب پر یا یونہی کسی چھٹی کے دن گھر آنا ہوتا، تو پھر یاد آتا کہ زمین کے علاوہ ایک آسمان بھی ہے، جسے میں بھولنے لگا ہوں۔ وہ آسمان کہ جس پر اندھیری شب میں ستارے چمکتے ہیں، اور کوئی اشارہ کرتے ہیں، اور روشن صبحوں میں پرندے چہکتے ہیں اور کوئی پیغام دیتے ہیں۔'' (۱۶)

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

افسانہ نگار کو جہاں اپنی قدیم روایات کے منہدم ہونے کا احساس ہے، وہاں انہیں اس بات کا بھی شدت سے احساس ہے، کہ یہ انسانی زندگی کتنی غیر یقینی اور مختصر ہے۔ ''موت کا آوارہ کتّا'' ہستی کے فنا ہو جانے کے فلسفے پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اس افسانے میں بھی علامتی طرز اپنایا ہے۔ یہ ایک ایسے فقیر کی کہانی ہے، جو دنیا کو دکھوں کا گھر سمجھتا ہے۔

وہ ایک زخمی کتّے کو دیکھ کر کہتا ہے، کہ ایک آدمی بھی اتنا ہی بے بس اور کمزور ہے، جتنا ایک زخمی کتّا۔ اس لیے اسے کتّے کے مر جانے پر خوشی ہوتی ہے اور آدمی کے پیدا ہونے پر ملال ہوتا ہے۔ اس افسانے میں فقیر ہر ایک کے لیے ''نجات'' کی دعا مانگتا ہے۔ کیوں کہ اس کے نزدیک موت ہی وہ راستہ ہے، جو انسان کو دکھوں سے نجات دیتا ہے۔ لیکن دنیا سے دکھ کب ختم ہوتے ہیں، ہر نیا جنم لینے والا بچہ مرنے والے کی جگہ لے لیتا ہے اور یہ حیات و مرگ کا سلسلہ تا ابد چلتا رہے گا:

> ''ایک دکھ ختم ہوتا ہے، ایک پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ دنیا تیری دعاؤں کے اختیار سے باہر ہے۔'' (۱۷)

افسانہ ''کیڑے مکوڑے'' ہمارے جاگیر دار معاشرے کی کہانی ہے، جو نچلے طبقے کے لوگوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں انہیں پاؤں تلے مسل دیتے ہیں، اور اپنی طاقت سے انہیں قوت گویائی سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔ اس افسانے میں انہوں نے کیڑے مکوڑے کو ''ضمیر'' کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے، اور اس میں خاص طور پر دیہاتی جبر کو نمایاں کیا گیا ہے۔ افسانے میں ایک پولیس والے کا ذکر ہے جو ایک قتل کی تفتیش کے لیے ایک گاؤں میں آتا ہے، ظلم کو دیکھ کر وہ خاموش رہتا ہے۔ مگر اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے، اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے جسم پر کیڑے مکوڑے رینگ رہے ہیں۔ ضمیر کی چبھن کو انہوں نے کیڑے مکوڑوں سے تشبیہ دی ہے۔ ضمیر ہمیشہ انسان کو برائی سے روکتا ہے، اور جب آدمی کا ضمیر مر جاتا ہے تو غلط کام کی چبھن اسے ہمیشہ مضطرب رکھتی ہے۔ یہی چیز احمد جاوید نے علامتی انداز میں پیش کی ہے:

> ''جب آدمی باہر سے مر جاتا ہے تو باہر سے کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ اور جب اندر سے مرتا ہے تو اندر سے کھاتے ہیں۔'' (۱۸)

ان کا افسانہ ''سانپ'' بھی استحصال کے موضوع پر ہے۔ جسے انہوں نے سانپ کو ہولناکی کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے، کیونکہ انسان جب ظالم بن جاتا ہے، تو وہ ایک زہریلے سانپ سے زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

سانپ کے کاٹنے سے انسان کا بدن نیلا پڑ جاتا ہے، لیکن انسان کے ڈسے کا نہ کوئی علاج ہے اور نہ ہی کوئی نشان۔ انہوں نے معاشرے میں موجود ان لوگوں کے کردار کی طرف اشارہ کیا ہے، جو ظلم اور استحصال سے غریبوں کی زندگی کو اجیرن کر دیتے ہیں۔ انہوں نے نہایت مہارت سے ''سانپ'' کی علامت استعمال کی ہے:

> '' یہی تو تمہاری غلطی تھی، وہ سانپ نہیں جو بین بجانے سے سامنے آئیں۔ بین کی آواز پر یا تو چھپ جاتے ہیں یا ایسے ساکت ہو کر مر کری مارتے ہیں، کہ معلوم نہیں ہوتا کہ آس پاس سانپ ہے، یا کوئی مٹی کا بے جان، ڈھیلا پتھر۔'' (۱۹)

''چڑیا گھر'' کا آخری افسانہ ''جنگل، جانور، آدمی'' ہے۔ افسانہ نگار نے نہایت عمدگی اور مہارت سے جنگل میں تبدیل ہوتے انسانی معاشرے کے المیے کی منظر کشی کی ہے، کہ کس طرح سے بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرہ جنگل میں بدلنے لگا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی خیال ظلم واستحصال ہے کہ آج کا انسان کتنا خود غرض اور بے رحم ہو گیا ہے کہ اس میں اور جنگل کے وحشی درندوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ ہر طرف ایک خوف وہراس کی کیفیت نظر آتی ہے۔ جب کسی معاشرے میں انسان اور جانور کا فرق مٹ جائے، تو انسان جانوروں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اس افسانے میں جنگل، ظلم وجبر کی علامت ہے:

> ''اسے معلوم ہی نہیں ہوا، کہ وہ کب لوگوں کے ہجوم سے نکلا، اور کب جنگل میں داخل ہوا۔ وہ ہجوم میں تھا کہ دھکم پیل ہوئی بھگدڑ مچی۔ پھر ایک ایسا ریلا آیا کہ سب منظر بدل گئے، اور قدم ایک ہی ڈگر پر آ گئے۔'' (۲۰)

احمد جاوید کے افسانے ہمیشہ داستانی لحن کا تاثر دیتے ہیں۔ اور ایسی فضا قائم کرتے ہیں کہ ہر چیز ایک خوبصورت تصویر میں ڈھل جاتی ہے۔ ''چڑیا گھر'' کے افسانوں میں فکری حبس اور گھٹن بڑی آسانی سے محسوس کی جاسکتی ہے۔ حکمران عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح سمجھتے ہیں، اور وہ بھی خوف، بزدلی اور کم ہمتی کی وجہ سے بھیڑ بکریوں کی طرح سر جھکا کر زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔ منشایاد ''چڑیا گھر'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''کسی معاشرے میں جہاں عدل وانصاف کا فقدان ہو، جنگل کا قانون ہو، جس کی لاٹھی اس کی بھینس رائج ہو۔ وہاں انسان واضح گروپوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، شکار کرنے والے اور شکار ہونے والے۔'' (۲۱)

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

''چڑیا گھر'' میں علامتوں کا نہایت دلکش اور متاثر کن انداز دیکھنے میں آتا ہے۔ احمد جاوید کا انداز علامتی و تجریدی ہے۔ انہوں نے ان علامتوں کے ذریعے معاشرے کی سچی تصویر پیش کی ہے۔ پھر جانوروں، پرندوں اور حشرات الارض کو علامات میں استعمال کر کے معاشرتی کہانیوں کو نئی زندگی دی ہے۔

احمد جاوید کا تیسرا مجموعہ ''گمشدہ شہر کی داستان'' ہے، جس کا محور ''گمشدگی'' ہے۔ اس کا دوسرا افسانہ ''مصاحبین خاص'' آمریت، اقتدار کی ہوس، مصاحبوں کی ناعاقبت اندیشی اور مال وزر کے حصول کے لیے لڑی جانے والی لڑائیوں کو اجاگر کرتا ہے۔ انہوں نے اس افسانے میں شعبدہ باز کو علامت بنا کر ملکی صورتحال کا نقشہ کھینچا ہے، کہ کس طرح شہزادے بادشاہ کے خلاف سازشوں میں مگن رہتے ہیں۔ چند وزرا کو ساتھ ملا کر کس طرح بادشاہ کے خلاف منصوبے بناتے ہیں۔ احمد جاوید نے اس افسانے میں بڑی خوبی کے ساتھ بادشاہ کے خلاف منصوبہ بندی کرنے والے وزرا اور شہزادوں کو بے نقاب کیا ہے۔ ہمارے معاشرے کی صورتحال بھی کچھ ایسی ہی ہے:

> ''شہزادے نے مڑ کر شعبدہ بازوں کو دیکھا اور کہا۔''سنا تم نے شعبدہ بازو.....کوئی نہیں..... آج کوئی طاقت نہیں رکھتا.....نہ کوئی بادشاہ.....نہ شعبدہ گر ..... یہ کہہ کر وہ فخر سے مسکرایا،اس کی مسکراہٹ میں کوئی تمسخر تھا یا کوئی پیغام.....شعبدہ بازوں نے تالی بجائی..... بادشاہ نے نشست بدلی کچھ کہنا چاہا..... مگر اب بیکار تھا..... تیر کمان سے نکل چکا تھا.....مسند شاہی خالی پڑی تھی.....شعبدہ بازوں کا علم کام آیا تھا.....ماسوا اس کے کہ تاج شاہی گاؤ تکیے کے قریب پڑا تھا، اور بادشاہ کا وجود ناپید تھا۔ سب یہ دیکھ کر حیرت کا مجسمہ بن گئے۔'' (۲۲)

اس افسانے میں انہوں نے ان چاپلوسوں کا ذکر کیا ہے جو ہر وقت بادشاہ کو خوش رکھنے کے لیے اس کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں، وقت کے ساتھ ساتھ ان کی وفاداریاں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ احمد جاوید نے علامتوں کے ذریعے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے، کہ ایسے لوگوں سے بادشاہ کو کسی وقت بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اس مجموعے کا ایک اہم افسانہ ''گمشدہ شہر کی داستان'' ہے۔ ان کا یہ علامتی افسانہ معاشرے میں طاری اس جمود کی عکاسی کرتا ہے، جب ملک میں فوجی راج قائم تھا۔ اور اس نے گویا ملک میں ایک گمشدگی کی فضا قائم

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

کر رکھی تھی، اور لوگ خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ اور یہی غفلت اور لاپرواہی ان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنی:

> ''رات بند کمروں میں سونے والوں نے جاگنے پر آسمان دیکھا کہ جس پر سیاہ گھنگھور گھٹائیں برس پڑنے کو تلی کھڑی تھیں۔ لوگوں کی حیرت بجا تھی کہ راتوں رات کیا ہوا، کہ مکانوں کی چھتیں ہی غائب ہو گئیں، اور وہ بھی صفائی سے کہ شہر کی باقی ہر شے سلامت تھی۔ لوگ پریشان ہوئے تو گھروں سے نکل ایک کھلے میدان میں اکٹھے ہونے لگے۔'' (۲۳)

اس افسانے میں احمد جاوید نے ان لوگوں کی اس سوچ کی عکاسی کی ہے، کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ظلم وجبر کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت سے محروم تھے۔ یہاں تک کہ سارا شہر گمشدگی کی علامت بن چکا ہے۔ یہ افسانہ سقوط ڈھاکہ کے پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ جب لوگوں کی بے حسی، نااہلی اور اپنی ذمہ داریوں کا ادراک نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے ملک کو نہایت اذیت ناک صورتحال کا سامنا کرنا پڑا اور ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ انہوں نے سقوط ڈھاکہ کو گمشدہ شہر کی علامت کے طور پر نہایت دردمندی سے پیش کیا ہے۔

احمد جاوید نے جدید عہد کے موضوعات کو بڑی مہارت سے اپنے افسانوں میں علامتی انداز میں پیش کیا۔ وہ اپنے معاشرے میں ذہنی آزادی، آزادی رائے اور اپنی تہذیب وثقافت کو نہایت اہمیت دیتے تھے۔ ان کے ہاں سیاسی، مذہبی اور معاشرتی پس منظر میں تحریر کیے گئے افسانوں میں ایک واضح دردمندی اور حب الوطنی جھلکتی ہے۔ ان کے موضوعات مختلف بھی ہیں، اور منفرد بھی۔ انہوں نے کھلی آنکھوں سے زندگی کا مطالعہ کیا اور اپنے افسانوں کو حقیقت پسندی میں ڈھال کر قارئین تک پہنچایا۔ ان کے افسانوں کے موضوعاتی مطالعے سے عصری آگہی اور ایک گہرے شعور کا ادراک ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں کے حوالے سے چند ایک موضوعات پر بحث بے حد ضروری ہے۔ جن کا ذکر ان کے افسانوں میں اکثر مقامات پر قاری کو چونکا دیتا ہے۔ ان کی پیش کش میں ایک نفاست اور فکر و نظر میں توازن نہایت متاثر کن ہے۔

حوالہ جات

۱ ڈاکٹر شفیق انجم، اردو افسانہ، پورب اکادمی، اسلام آباد، فروری ۲۰۰۸ء، ص ۱۴۳

۲ ڈاکٹر وزیر آغا، تنقید اور احتساب، جدید ناشرین لاہور ۱۹۶۸ء، ص۔ ۱۲۱

۳ ڈاکٹر محمد اجمل، علامت پسندی اور ادب مشمولہ، سویرا لاہور، ۱۹۶۵ء، ص۔۹

۴ ڈاکٹر نوازش علی، اردو افسانہ نگاروں کے اسالیب، مشمولہ دریافت نمل یونیورسٹی، اسلام آباد شمارہ جون ۲۰۰۲ء

۵ ناصر زیدی، غیر علامتی کہانی، احمد جاوید کا نثری لینڈ سکیپ، مشمولہ ویکلی حرمت، کراچی سن ن

۶ ڈاکٹر نوازش علی، اردو افسانہ نگاروں کے اسالیب، ص۔ ۳۲

۷ منشایاد، فکشن ۹۵، مشمولہ روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۲۲ جنوری ۱۹۹۶ء

۸ احمد جاوید، غیر علامتی کہانی، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۲۴۴

۹ ایضاً ص۔ ۲۴۷

۱۰ ایضاً ص۔ ۲۵۷

۱۱ ایضاً ص۔ ۲۸۵

۱۲ احمد جاوید، غیر علامتی کہانی، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۲۸۶

۱۳ سجاد حیدر ملک، افسانے با انداز دیگر مشمولہ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی، ۱۰ دسمبر ۱۹۹۶ء

۱۴ احمد جاوید، چڑیا گھر، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۱۴۱

۱۵ ڈاکٹر نوازش علی، تخلیقی ادب، سالانہ اشاعت نمل یونیورسٹی اسلام آباد، شمارہ فروری ۲۰۰۵ء، ص۔ ۲۶۱

۱۶ احمد جاوید، چڑیا گھر، پورب اکادمی اسلام آباد ۲۰۱۴ء، ص۔ ۱۷۸

۱۷ ایضاً ص۔ ۱۸۷

۱۸ ایضاً ص۔ ۲۱۲

۱۹ ایضاً ص۔ ۲۱۶

۲۰ ایضاً ص۔ ۲۲۸

۲۱ منشایاد، چڑیا گھر مشمولہ سہ ماہی علامت، لاہور اگست تا اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص۔ ۲۰۔ ۲۱

۲۲ احمد جاوید، گمشدہ شہر کی داستان، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۳۵۶

۲۳ ایضاً ص۔ ۳۶۸